بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نظرات

س :- آج کل مسلم اخبارات میں مسلم پرسنل لا کا بڑا چرچا ہے۔ سب یہ کہہ رہے ہیں کہ اگر ملک کے سول کوڈ کو ایک کرنے کے جنون میں حکومت نے مسلم پرسنل لا میں بھی ترمیم و تنسیخ کر دی تو حکومت کا یہ فعل مداخلت فی الدین ہوگا۔ آپ کی کیا رائے ہے ؟

ج :- جی ہاں ! میری رائے میں بھی یہ فعل مداخلت فی الدین ہوگا !

س :- اگر حکومت نے مکمل انسدادِ گاؤ کشی کا قانون بنا دیا تو یہ بھی مداخلت فی الدین ہوگا یا نہیں ؟

ج :- جی نہیں ! میرے نزدیک یہ مداخلت فی الدین ہرگز نہیں ہے ۔

س :- یہ کیوں ؟ حالانکہ تعدد ازدواج اور گاؤ خوری دونوں کی حیثیت یکساں ہے، دونوں اسلام میں نہ فرض ہیں اور نہ واجب، بلکہ مباح ہیں، پس اگر ایک مباح کی قانونی بندش دین میں مداخلت نہیں تو دوسرے کی بندش کو کیوں کر مداخلت فی الدین کہا جا سکتا ہے ؟

ج :- دراصل آپ کو مغالطہ ہوا ہے۔ دونوں میں بہت بڑا فرق ہے، ہر وہ چیز جس پر مباح کا لفظ بولا جائے، اُس کی مانعت کو مداخلت نہیں کہا جا سکتا، ورنہ پھر آپ اس دنیا میں ایک قدم بھی نہیں چل سکتے اور اپنی اصلاح و ترقی کے لئے کوئی قانون نہیں بنا سکتے۔ جو چیزیں فقہی اصطلاح میں مباح کہلاتی ہیں وہ دو قسم کی ہیں — ایک وہ جن سے کسی قسم کی کوئی مصلحتِ دینی وابستہ نہیں ہے اور اُن سے "قربت" کا کوئی تعلق نہیں، اور دوسری قسم اُن چیزوں کی ہے جن کے مباح ہونے سے شریعت کی کسی بنیادی غرض اور مقصد کی تکمیل ہو

مدلتی ہے اور اس بنا پر اُس پر نتیجۂ عذاب و ثواب کا ترتب ہوتا ہے، اور یہ اس کی دلیل ہے کہ اس میں "قربت" کے معنی پنہاں ہیں۔

اب غور فرمائیے تو معلوم ہوگا کہ گاؤ خوری پہلی قسم کے مباحات میں داخل ہے۔ کیونکہ اس کا حکم نہ قرآن میں ہے اور نہ حدیث میں بلکہ جیسا کہ علامہ جلال الدین سیوطی نے "کتاب الرحمۃ فی الطب والحکمۃ" میں (ص ۸) نقل کیا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس سلسلہ میں یہ منقول ہے کہ "گائے کا گوشت داء یعنی بیماری ہے اور اس کا دودھ اور گھی دوا اور شفا ہے"۔ اگر حضورؐ کی طرف اس قول کی نسبت صحیح ہے تو پھر اس میں کوئی شک نہیں کہ اس معاملہ میں جانب نفی ہی قابل ترجیح ہوگی۔ بہرحال گاؤ خوری پہلی قسم کا مباح ہے اور اس کا حکم یہ ہے کہ اس کی بندش مداخلت فی الدین نہیں ہے۔ صوفیائے کرام میں ایک اچھی تعداد اُن بزرگوں کی ملے گی جو ہر قسم کے گوشت سے پرہیز کرتے تھے۔ البتہ ہمارے ملک میں انسدادِ گاؤکشی کے لئے جو کچھ کیا اور کہا جا رہا ہے۔ اگر حکومت نے اُس کے سامنے سپر ڈال دی تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ حکومت کا یہ فعل اقتصادی اعتبار سے انتہائی غیر دانشمندانہ اور اسپرٹ کے اعتبار سے سکولرزم کی ضد ہوگا!

اب رہا تعدد ازدواج کا معاملہ! تو یہ اس سے بالکل مختلف ہے۔ اگرچہ فقہی طور پر اس پر بھی اطلاق لفظ مباح کا ہوتا ہے۔ لیکن یہ مباح کی دوسری قسم میں شامل ہے اور اس کی اباحت ایک اہم دینی مقصد کی تکمیل کا ذریعہ بنتی ہے فرض کیجئے ایک شخص ہے جس کی بیوی بانجھ ہے اور اس کو اولاد کی تمنا ہے جو ہر شخص کو طبعی طور پر ہوتی ہے یا وہ بیمار ہے اور اس کی بیماری لاعلاج ہے یا اس کے اور بیوی کے مزاج میں اتحاد اور موافقت نہیں ہے جس کے باعث اس کی زندگی اجیرن بنی ہوئی ہے اور وہ درد و کرب کی زندگی گذار رہا ہے! اب سوچئے۔ ان حالات میں یہ بدنصیب شوہر کیا کرے؟ اگر اس بیوی کو طلاق دے کر دوسری شادی کرلے تو اس بات کو اس کی انسانیت شرافت اور غیرت گوارا نہیں کر سکتی کہ جو عورت اتنے زمانہ تک اُس کی رفیقۂ زندگی بنی رہی ہے اُس کو یوں ایک ایسے امر کے باعث جس میں اس عورت کو کوئی دخل نہیں خانہ بدر کرکے روٹیوں کا محتاج بنا دے، اس بنا پر اب اس شخص کے سامنے صرف دو ہی صورتیں ہیں، یا انسانیت اور شرافت کو بالائے طاق رکھ کر اس بیوی کو طلاق دے اور کوئی دوسری شادی کرے۔ اور یا بہر صورت اسی ایک بیوی پر قانع رہ کر عمر بھر اسی آگ میں جلتا رہے۔ اسلام میں تعددِ ازدواج